R.No. 2186/57 — Regd. No. 1922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت ۱-۸-۱۵-۶۴

ٹیلی فون ۹...
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

جلد ۲۳ ۔ شمارہ ۳۴ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ ستمبر ۱۹۶۴ء

اداریہ

"پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ"

(اتر پردیش میں سہ لسانی فارمولا)

عجیب بات ہے کہ سہ لسانی فارمولے کے سلسلے میں مرکز ہدایت کرتا ہے کہ کسی جدید ہندوستانی زبان کو ترجیح دی جائے، ڈائریکٹر تعلیم اتر پردیش کے سرکلر میں یہ صراحت موجود ہے کہ معقول تعداد اردو پڑھنا چاہے تو مناسب انتظام کیا جائے، وزیر تعلیم اتر پردیش ودھان سبھا میں اعلان کرتے ہیں کہ اگر پانچ طلبا بھی اردو پڑھنا چاہیں گے تو ان کے لیے انتظام کیا جائے گا، مگر افسر وقت پرنسپلوں اور ہیڈ ماسٹروں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ یا تو یہ سب اعلان بے معنی ہیں اور ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے یا یہ افسر اور پرنسپل اتنے با اختیار ہیں کہ حکومت ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ کیسا اندھیر ہے کہ اتر پردیش میں وہ طلبا جن کی مادری زبان اردو ہے، بطور تیسری زبان کے بھی اردو نہیں پڑھ سکتے۔ لسانی اقلیت کے کمشنر نے تو اس بات پر بھی اعتراض کیا تھا کہ اتر پردیش کی حکومت ثانوی منزل پر طلبا کو ان کی مادری زبان کے ذریعہ سے تمام مضامین پڑھنے کی سہولتیں نہیں دیتی۔ لیکن یہ سہولتیں خواہ کتنی ضروری ہی سہی بعد کی بات ہیں۔ بنیادی بات تو یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم کی منزل پر اردو ابتدائی اسکول کھولے جائیں یا اردو فریق کا موجودہ اسکولوں میں اضافہ کیا جائے اور ثانوی منزل پر تیسری زبان کے طور پر اردو پڑھنے کی صرف کاغذ پر اجازت نہ ہو بلکہ ہر جگہ جہاں پانچ طلبا اردو پڑھنا چاہتے ہیں، ان کے لیے انتظام کیا جائے۔ ہمیں یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے کہ اتر پردیش کی حکومت اس معاملہ میں بالکل خاموش ہے اور کوئی عملی اقدام ایسا نہیں کرتی جس کی وجہ سے یہ شکایات دور ہو سکیں۔ آخر اتر پردیش کی حکومت کو اردو سے اس قدر بیر کیوں ہے؟ اب اردو اور ہندی کی رقابت کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ ریاست کی سرکاری زبان ہندی ہے اور اسے سبھی صدق دل سے تسلیم کرتے ہیں اور اردو والے بھی اس معاملے میں کسی سے پیچھے نہیں۔ مگر اتر پردیش کی ایک اہم اور قابل ذکر زبان اردو بھی ہے، جو ہندی کے قریب بھی ہے اور اتر پردیش میں جس کا چلن صدیوں سے ہے۔ اگر حکومت اردو کی تعلیم کا مناسب انتظام کرتی ہے تو وہ دراصل اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیتی ہے اور اگر وہ اس معاملے میں غفلت اور خاموشی برتتی ہے تو یقیناً اس پر یہ الزام آئے گا کہ وہ اپنے فرائض کے ادا کرنے میں چوکس نہیں ہے اور قومی یکجہتی اور جمہوریت کے اصولوں کو نظر انداز کر رہی ہے۔ ہمیں اس وقت سب کام چھوڑ کر اتر پردیش میں سہ لسانی فارمولے کے صحیح نفاذ پر زور دینا ہے اور ابتدائی منزل پر اردو ابتدائی اسکولوں کے ضروری تعداد میں کھلنے پر اصرار کرنا ہے۔ جب تک یہ

اس شمارے میں

نہیں ہو ا ، اردو کے ساتھ بے انصافی برابر ہوتی رہے گی اور ہم اس پر ہرگز خاموش نہیں رہ سکتے بلکہ ہر ذریعہ سے جو آئینی اور جمہوری ہے، ہم اس صورت حال کو بدل کر رہیں گے۔

سیر بین

ہم نے پچھلے کسی کالم میں (ROBUST LANGUAGE) کے اردو میں ترجمے کے متعلق اظہار خیال کی دعوت دی تھی۔ ایک صاحب نے "سخت کلامی" تجویز کیا جو مفہوم کے اعتبار سے درست ہے، مگر اس میں انگریزی لفظ کی وہ بلاغت نہیں۔ انگریزی لفظ میں ایک ہلکا سا پہلو تعریف کا ہے جو سخت کلامی یا بدکلامی میں نہیں۔ ہمارے نزدیک یہاں "کھرے الفاظ" یا "کھری زبان" بہتر ہوگا۔

ہم نے کامراجا کے وزن پر دوسرے فعل بنانے کی تجویز پیش کی تھی۔ ایک محترم نامہ نگار نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ اس سلسلے میں قابل غور یہ نکتہ ہے کہ ہر اسم سے فعل بنانے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ صرف ایسے اسماء سے فعل بنانے کی ضرورت ہوتی ہے جن کی کوئی خاص اہمیت ہو یا جن کے ساتھ کوئی خاص شہرت وابستہ ہو۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ موجودہ سیاسی رہنماؤں میں کامراج کے ساتھ ہی وہ منصوبہ وابستہ ہے جس کی وجہ سے بعض وزیروں کو اپنی گدی سے ہاتھ دھونے پڑے۔ دکھشی شاستری جی اس زمرے میں نہیں آتے اس لیے کسی کے شاستری ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ستمبر واقعی ستمگر ہوتا ہے۔ ایک طرف بارش نے پچھلے سب ریکارڈ توڑ دیے، دوسری طرف اب کے ایسے ایسے کیڑوں کی یورش ہے کہ خدا کی پناہ۔ شروع میں پردار چیونٹیوں کی کثرت تھی، اب چھوٹے چھوٹے کیڑے روشنی کے گرد ہجوم کیے رہتے ہیں۔ انھیں پروانے کہنا پروانوں کی توہین ہے۔ یہ تو بلب کے گرد دیوانہ وار طواف کرنے پر قانع نہیں، آس پاس جو بھی بیٹھے ہوں ان پر حملہ آور ہو جاتے ہیں، ان کے بالوں میں، کپڑوں میں، ناک اور منھ میں گھسنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ آپ اچھے بھلے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں، اتنے میں معلوم ہوگا کہ گردن میں پیچھے سے کسی نے بڑے زور سے کاٹ لیا۔ اب جب تک اس کیڑے کو نکال نہ دیں، چین نہیں لے گا۔ رات کو لکھنا پڑھنا ہی نہیں کھانا کھانا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ اگر کوئی کیڑوں کا ماہر اس کالم کو پڑھتا ہے تو اس سے درخواست ہے کہ وہ برسات میں اس دیار کے روشنی کے گرد جمع ہونے والے کیڑوں کے متعلق ہماری معلومات میں کچھ اضافہ کرے۔ ہمارے علم کے مطابق پہلے چیونٹے نکلتے ہیں اور سب سے آخر میں دیمک اور درمیان میں تو ہر قسم کے چھوٹے بڑے پتنگے برآمد ہوتے ہی رہتے ہیں۔

کل ہند اردو کانفرنس جے پور

(۱) انجمن کی کل ہند اردو کانفرنس ۲، ۳، ۴ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو جے پور میں ہو رہی ہے۔

(۲) مقامی شاخوں کو صرف دو نمائندے اور ریاستی شاخوں کو پانچ بھیجنے کی اجازت تھی۔ بعض مقامی شاخوں نے کئی کئی نمائندوں کے نام اور فیس بھیج دی ہے۔ مقررہ تعداد سے زیادہ نمائندے نہیں لیے جا سکتے اس لیے معذرت کر دی گئی ہے۔

اور تمام نمائندوں کو ریلوے فارم اور تعارفی کارڈ رجسٹری کے ذریعے بھیج دیے گئے ہیں۔

(۳) ریلوے نے کنسیشن کا فاصلہ چار سو کیلومیٹر سے گھٹا کر ڈھائی سو (۲۵۰) کر دیا ہے۔ اُن تمام مقامات کے حضرات کو بھی ریلوے فارم بھیجے گئے ہیں جن کی مسافت جے پور سے ۲۵۰ کلومیٹر ہے۔ اس سے قریب مقامات کے مدعو حضرات کو صرف تعارفی کارڈ بھیجے گئے ہیں۔

(۴) جے پور ریلوے اسٹیشن پر مہمانوں کی پذیرائی کا انتظام رہے گا۔ اگر کسی وجہ سے کسی مہمان کا منتظمین سے ربط نہ پیدا ہو سکے تو سیدھے مسلم مسافر خانہ پہنچ جائیں۔ جے پور میں یہ بہت مشہور مقام ہے۔

(۵) انجمن کا کانفرنس سے متعلق دفتر ۲۰ ستمبر ۱۹۸۶ء کو جے پور چلا جائے گا۔ اس کے بعد کانفرنس سے متعلق خط، تار وغیرہ ذیل کے پتے پر بھیجے جائیں:-

دفتر انجمن، مسلم مسافر خانہ، سانگانیر دروازہ
جے پور۔

عربی فارسی اور سنسکرت کی نایاب کتابوں کے مائکرو فلم

نئی دہلی۔ یہاں دگلے چار مہینوں میں عربی، فارسی اور سنسکرت کی نایاب قلمی کتابوں کا حکومت ہند کی جانب سے مائکرو فلم لیا جائے گا۔ ماہرین کی ایک کمیٹی بنائی جا رہی ہے جو اہم قلمی کتابوں اور تاریخی دستاویزات کا مائکرو فلم لینے کے لیے انتخاب کرے گی۔

اس سلسلے میں یونسکو نے ایک ماہر اور مووی کیمرہ سے حکومت ہند کی مدد کی ہے۔ مائکرو فلم ایک ایسا طریقہ ہے جس میں ذی قدر قدیم کتابوں کی تصویریں لے لی جاتی ہیں، یہ تصویریں ایک چھوٹی سی فلم کی صورت میں محفوظ کر لی جاتی ہیں اور ان کی کئی پرنٹ تیار کر لیے جاتے ہیں تاکہ ایک نایاب کتاب کئی علمی اداروں تک پہنچ جائے۔ یونسکو کے ذریعہ مائکرو فلموں کا جو اولین تیار ہوا ہے وہ ہندوستان کی اہم اور نایاب عربی کتابوں کے مائکرو فلم کچھ عرصہ پہلے عرب ممالک کے ایک وفد نے اپنے علمی اداروں کے لیے تیار کیے تھے۔ (مدد چاہیا)

ڈاکٹر گیان چند

اردو تحریک

ہندوستان میں اردو کو اس کا جائز مقام نہ ملنے کی وجہ سے بہت سے فدائیان اردو کہنے لگے ہیں: "حکومت کے سامنے گڑگڑانا بے سود ہے۔ مانگنے سے کسی زبان کو اس کا حق نہیں ملا۔ سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلتا۔ اب لڑنے کا وقت آ گیا ہے۔ اردو تحریک کو تیزی اور گرمی سے چلانے کی ضرورت ہے۔"

لڑنے اور تحریک کی بات وقتاً فوقتاً سننے میں آتی ہے لیکن یہ واضح نہیں ہو سکا کہ لڑائی کیونکر لڑی جائے اور تحریک کی کیا نوعیت ہو۔ شاید خود ان بزرگوں کے ذہن میں بھی اس کی کوئی واضح تصویر نہیں۔ دیکھنا چاہیے کہ لڑنے سے اردو کے مفاد کو ترقی ہوگی یا یہ خالی خولی جذباتیت اور بے بسی کی جھنجھلاہٹ کا نعرہ ہے۔

تحریک (movement) کی سب سے نمایاں اور واضح مثال آزادی کی جدوجہد تھی جس میں پرامن طریقے پر قانون شکنی کر کے جیل بھرے جاتے تھے۔ ستیہ گرہ کے مختلف مظاہر ہڑتال کرنا، دھرنا دینا، امتناع کے باوجود جلسے کرنا، جلوس نکالنا تھا۔ ایک دوسری شکل مرن برت کرنا تھا۔ کیا اردو تحریک اسی نوعیت کی ہو۔ دیکھیں دوسرے لسانی گروہوں نے کس طرح تحریک کی ہے۔

پرانے مدراس سے تیلگو بولنے والے آندھراؤں کو علیحدہ کرانے کے لئے سری رامولو نے طویل فاقہ کیا اور اس میں جان دے دی۔ اس کے مرنے کے ساتھ آندھرا علاقے میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی جس کا اظہار توڑ پھوڑ کی کارروائیوں اور شدید مظاہروں کی شکل میں ہوا۔ سری رامولو کی قربانی کامیاب ہوئی اور حکومت نے فوراً آندھرا صوبہ بنا دیا۔ ۱۹۵۶ء میں صوبوں کی لسانی تقسیم میں مہاراشٹر کا صوبہ نہ بنایا گیا۔ جواب میں متحدہ مہاراشٹر کی تحریک ہوئی جس میں جہاں تک مجھے یاد ہے گولیاں چلنے کی بھی نوبت آئی۔ آخرکار مہاراشٹر کا صوبہ بن گیا۔ دوسری طرف پنجاب میں اکالی دل نے پنجابی صوبے کے لئے مورچہ لگایا۔ ہزاروں آدمی جیل گئے لیڈروں نے مرن برت کئے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔

تحریک کی ایک اور شدت پسند مثال وہ ہے کہ انگریزی ہٹاؤ تحریک والے کولتار اور برش لے کر گھومنے لگے اور دکانوں کے سائن بورڈوں کے انگریزی الفاظ پر کولتار پھیر دیا۔ یا پھر سب سے زیادہ دہشت آمیز تامل والوں کی خلاف ہندی تحریک ہے جس میں دستور کا زبانوں سے متعلق جزو نذر آتش کیا جاتا ہے یا ایک تامل نوجوان نے دہشت ناک انداز میں اپنے لباس میں آگ لگا کر خود کو خاکستر کر دیا۔

مندرجہ بالا قسم کی تحریکیں تامل، تیلگو، مراٹھی، پنجابی یا ہندوستان کی کوئی اور زبان کر سکتی ہے لیکن اردو نہیں کر سکتی۔ اردو کو نہ اس کی جرأت ہے نہ یہ اردو کے مفاد میں ہے۔ قانون کے حصار میں رہ کر تحریک کی جائے تو اردو کی حمایت میں بار بار پبلک جلسے کئے جا سکتے ہیں، جلوس نکالے جا سکتے ہیں، وزیروں اور ڈائرکٹر تعلیمات کے گھروں کے باہر مظاہرے کئے جا سکتے ہیں۔ میری رائے میں اس سے بھی ضرر کے سوا کوئی نفع نہ ہوگا۔ ایسا کیوں ہے اس کی صراحت میں میں ذرا صاف گوئی سے کام لینے کی اجازت چاہتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس بحث میں مذہب و سیاست کو گھسیٹنا ہوگا لیکن اردو کے مسئلے پر سیاسی پس منظر کو پشت ڈال کر غور کرنا جیتی جاگتی حقیقتوں سے چشم پوشی کرنا ہوگا۔

تقسیم ملک سے پہلے مسلم لیگ نے دو قومی نظریے کے سلسلے میں کہا کہ مسلمان ہندوؤں سے علیحدہ قوم ہیں۔ ان کی علیحدہ تہذیب اور علیحدہ زبان ہے اور یہ زبان اردو ہے۔ اس طرح خود مسلم لیڈروں نے اردو کو مسلمانوں سے مخصوص کیا حالانکہ اردو تحریک کا دعویٰ تھا کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کی پیداوار ہے۔ غضب تو یہ ہے کہ پاکستان بن جانے پر خود اردو تحریک کے سالار کہنے لگے کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ ۱۵ فروری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں غالب کی برسی کے موقع پر ڈاکٹر عبدالحق نے کہا۔

"پاکستان کو نہ جناح نے بنایا نہ اقبال نے بلکہ اردو نے بنایا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلاف کی اصل وجہ اردو زبان تھی۔ سارا دو قومی نظریہ اور سارے ایسے اختلاف صرف اردو کی وجہ سے تھے۔"[1]

یہ انکشاف یا اعتراف اردو کے سب سے بڑے وکیل کی زبانی ہوا۔ یہ بیان جذبات کی رو میں اتفاقی یا اضطراری طور پر نہیں دے دیا گیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں بزم فروغ اردو کو خطاب کرتے ہوئے مولوی صاحب نے پہلے بھی اردو کو محض مسلمانوں کی زبان[2] قرار دیا تھا۔ "اردو کو آپ معمولی زبان نہ سمجھیں اس میں ہماری ثقافت مذہب اور قومی روایات کا سرمایہ محفوظ ہے۔ بقیہ وہ سب زبانیں جو مسلمانوں کی کہی جاتی ہیں بت پرستوں اور کافروں کی بنائی ہوئی ہیں یہ اصل اسلامی زبان ہے اور ہمارے بزرگوں کی بدولت وجود میں آئی۔"

سابق ہند کی انجمن ترقی اردو کے ایک بڑے ستون مولوی صاحب کے دست راست سید ہاشمی فرید آبادی ہیں۔ انھوں نے پوست کندہ طور پر اعلان کر دیا کہ اردو ہے ہندوؤں کا

---

[1] قومی زبان کراچی ص ۱۰ بابت ۱۰ فروری ۱۹۵۱ء

[2] انجام کراچی۔ عبدالحق نمبر ص ۲۰ بابت اگست ۱۹۵۱ء

کوئی تعلق نہیں چنانچہ اپنے ایک[1] مضمون میں اردو زبان کے آغاز کے اس نظریے پر نکتہ چینی کی۔ "اردو ہندو مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے۔ دونوں قوموں نے اسے بنایا اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں پھیلا دیا۔"

ہاشمی صاحب نے اس نظریے کو "حقیقت کے برعکس غلط فہمی پر مبنی" بتایا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اردو کا آغاز و فروغ محض مسلمانوں کا مرہون منت ہے۔ مضمون کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

"ایک خاص بات یاد رکھنے کے لائق یہ ہے کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مگر صرف مسلمانوں میں اس نئی مخلوط زبان کا رواج پایا جاتا ہے۔ اس میں کسی ہندو شاعر یا نثر نگار کا نام نہیں آتا۔...... کسی مسلمہ ہندو نے جہاں تک معلوم ہے اس نئی زبان اردو کے بنانے میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا" (ص ۳۷)

"اسے بلاشبہ ہندوستان کے مسلمانوں ہی نے تیار کیا اور آراستہ کیا...... واقعہ اردو ہندوستان کے سبھی مسلمانوں کی کوشش کا نتیجہ اور سب کی مشترکہ زبان ہے" (ص ۳۸)

مسلمانوں اور ہندوؤں کے لسانی اختلاف پر ہاشمی صاحب کو اس حد تک اصرار ہے کہ ان کے نزدیک دلی اور لکھنؤ کے ہندوؤں کی زبان مسلمانوں کے لئے ناقابل فہم ہے۔ لکھتے ہیں

"کاتب الحروف کا خاندان تین صدی سے نواح دہلی کا باشندہ ہے لیکن وہاں کے دیسی کسان۔ غالی۔ [illegible] ہندوؤں کی اصلی بولی نہ بول سکتا تھا نہ پوری طرح سمجھ سکتا تھا۔ اسی طرح خاص شہر دلی کے ہندو رواج مزدور۔ بنئے اگرچہ ہماری اردو بولتے سمجھتے تھے مگر ان کی گھریلو بولی بہت مختلف اور مسلم اردو سے جدا گانہ چیز تھی" (ص ۳۸) "سندھی اور پشتو اردو سے اتنی بعید نہیں جتنی نواح لکھنؤ و فیض آباد کے ہندوؤں کی دیسی بولیاں مغائرت رکھتی ہیں"

ان انکشافات کے بعد ہم سوچنے پر مجبور ہیں کہ مولوی عبدالحق اور مسلم ہند کی انجمن ترقی اردو نے کبھی صدق دل سے اردو کو ہندو مسلم اتحاد کی پیداوار سمجھا بھی تھا یا محض مصلحت کار کی خاطر اتحاد کا یہ ڈھونگ رچاتے رہے۔

تقسیم سے پہلے کی مسلم لیگ تحریک اور تقسیم کے بعد پاکستان کی اردو تحریک اگر اردو کو مسلمانوں کی زبان اور پاکستان کا معاہد اعظم قرار دینے پر تلی ہو تو ہندوستان کے ہندی والے یعنی غیر مسلم اگر اردو کو اسی رنگ میں دیکھیں تو قصور کس کا ہے۔ اردو کا دعویٰ ہے کہ میں ہندو مسلم اتحاد کی پیداوار ہوں۔ اردو کے حریف کہتے ہیں

"نہیں تم ہندو اور مسلمانوں کے افتراق کی نشانی ہو۔" اس صورت میں اردو اور قومی اتحاد کا دعویٰ سچ نہیں رہتا متنازعہ ہو جاتا ہے آج ہندو اور مسلمان دونوں کے دلوں میں ایک چور ہے جو دہ زبان پر نہیں لاتے۔ دونوں کو احساس ہے کہ اردو کو دو قومی نظریے کی تائید میں پیش کیا گیا تھا اس لئے مسلمان اردو کے لئے شدومد سے آواز اٹھانے میں ہچکچاتا ہے اور ہندو اردو کو اس کا حق دینے میں آنا کانی کرتا ہے۔

جب دلوں کا یہ حال ہے تو اردو کے لئے کوئی بلند بانگ تحریک کرنے کا کیا نتیجہ ہوگا۔ آج غیر مسلموں کی وہی قلیل تعداد اردو کی حامی ہے جس نے ۱۹۴۷ء سے پہلے اردو کو اپنے خون میں جذب کر لیا تھا۔ اردو کے لئے کوئی غلغلہ خیز تحریک چلائی گئی تو اس میں غیر مسلموں کی تعداد زیادہ نہ ہوگی۔ جو لوگ اردو کے لئے لڑائی لڑنے اور جان دینے کی بات کرتے ہیں ان کے پاس کونسی گارنٹی ہے کہ اردو کے بدخواہ اردو تحریک کو مسلم فرقہ وارانہ تحریک کا رنگ نہ دے دیں گے۔ اس سے فضا اور مکدر ہو جائے گی اور اردو کو نفع کی جگہ نقصان ہی ہوگا۔

حکومت کوئی اپنے طور پر اردو کی مخالفت نہیں کرتی وہ اکثریت کی تابع ہے۔ وہ ووٹوں کا رخ دیکھتی ہے۔ اردو کے مخالف وزیر نہیں بلکہ ان کے پیچھے آبادی کی اکثریت ہے۔ یہ مخالفین اردو تحریک کے مقابلے پر اس سے زور دار جوابی تحریک کر سکتے ہیں آپ اردو کی حمایت میں چار جلسے کریں گے تو وہ اردو کے خلاف آٹھ جلسے بلائیں گے۔ آپ ایک ہزار آدمیوں کا جلوس نکالیں گے تو وہ پانچ ہزار آدمیوں کا جلوس لے آئیں گے۔ دیوار پر گیند جتنی شدت سے ماری جاتی ہے اتنی ہی شدت سے واپس ہوتی ہے دیکھنے میں آیا ہے کہ ہندو مسلم ملے جلے جلسے میں اردو کی حمایت میں پرجوش تقریریں کی گئیں تو فضا اردو بیزاری کی سموم سے اس قدر بھری کہ اردو کو فائدہ کچھ نہ ہوا۔ کچھ نہ کچھ گنوا ہی دیا۔

کہا جاتا ہے کہ اردو تحریک کو عوام سے اپنا رشتہ جوڑنا چاہئے میں اس میں ایک ترمیم کرنا چاہتا ہوں۔ مسلمان عوام تو اردو کے ساتھ ہیں ہی اردو کو غیر مسلم عوام کو اپنے نزدیک لانا چاہیے۔ لڑنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لڑنے کے ساتھ تعمیری کاموں کی ضرورت ہے اور یہ لڑنے سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ اردو کے فروغ کے لئے ضروری ہے کہ سمجھا بجھا کر غیر مسلموں کے دل سے اردو بیزاری کے جالے دور کئے جائیں۔ ان کے بیچ اردو کا پروپیگنڈا کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ذیل کی تجاویز ان اہل فکر و دانش کے غور کے لئے پیش کرتا ہوں جو اردو کے مسائل کو مجھ سے کہیں بہتر طریقے پر سمجھ سکتے ہیں۔

۱۔ اردو کے غیر مسلم دوستوں کی خدمات اردو کی [illegible] میں ایک مدلل بیان جاری کیا جائے جو خاص طور سے ہندی اور انگریزی

(دیکھئے بقیہ صفحہ ۹)

---

[1] اردو زبان کی حقیقت مشمولہ قومی زبان کراچی یکم و ۱۶ر جولائی ۱۹۷۱ء

غزلیں

سید حرمت الاکرام

چشمِ خونبار کی افسانہ گری بھول گئی
عشق رسوا تو کبھی سی نہ سکا چاکِ جگر
تیرے الطاف کی شاہیں تیرے غم کی جبیں
شہرِ نسریں گل ودہ تک آتے آتے
ہم بھی کیا کیا نہ پشیمان ہوئے ہیں کہ حیات
خسروی جشن منائی ہے کہ اچھا ہی ہوا
وادیِ غم کو بتاتی نہیں کوئی احوال
جب وہ آنکھوں کو سلیقہ تھا کہ موتی رولیں
شکوۂ بتکدۂ شوق کی ویرانی کو

فطرتِ غم جو ترے دامن کی تری بھول گئی
عقل کیوں رسم رہِ بخیہ گری بھول گئی
آہ کیا کیا نہ مری بے خبری بھول گئی
ان کا پیغام نسیمِ سحری بھول گئی
خود تری بھول گئی خود نگری بھول گئی
زندگی شیوۂ آشفتہ سری بھول گئی
کیا صبا بھی روشِ نامہ بری بھول گئی
نخلِ امید کو وہ بے ثمری بھول گئی
آرزو لذتِ اصنام گری بھول گئی

لحظہ لحظہ تھا دل افسردہ دلارا حرمت
وہ زمانہ بھی مری خوش نظری بھول گئی

محمد منشاء الرحمٰن خاں منشاء

رنج و غم و آلام میں شاداں ہیں تو ہم ہیں
ہر حال میں سرمست و غزل خواں ہیں تو ہم ہیں
دیوانگی شوق عبارت ہے ہمیں سے
ناموسِ محبت کے نگہبان ہیں تو ہم ہیں
ہے جن کا لہو ضامنِ رنگینیِ گلشن
وہ صاحبِ دل، جانِ بہاراں ہیں تو ہم ہیں
دیتے ہیں جو ضیا بارِ غم و الم ہو کو اری
پیغام برِ صبحِ درخشاں ہیں تو ہم ہیں
یہ فخر و سعادت بھی میسر ہے ہمیں کو
آماجگہِ چشمِ نگاراں ہیں تو ہم ہیں
لالہ کی طرح داغ ہیں سینوں میں ہمارے
مثلِ گلِ صد چاک جو خنداں ہیں تو ہم ہیں
تم اہلِ سفینہ کے محافظ تو ہو لیکن
طوفان سے خود دست و گریباں ہیں تو ہم ہیں
اس دورِ ستم کوش میں انسان ہیں بھی منشاء
در اصل اسیرِ غمِ انساں ہیں تو ہم ہیں

احسن نشاط

منتخب تنگ جہاں ہے کہیں ایسا تو نہیں
آج کیوں آتشِ احساس جلاتی ہے مجھے
تم مجھے ہو جیسے غازۂ رخسارِ بہار
عارضِ شب پہ گراٹوٹ کے تارا کوئی
پاؤں پڑتے ہیں کہیں اور تصور ہے کہیں
میں سمجھتا ہوں جسے سایۂ مژگاں ان کا

یا مجھے یونہی گماں ہے کہیں ایسا تو نہیں
یہ کوئی رازِ نہاں ہے کہیں ایسا تو نہیں
دیکھنا گردِ خزاں ہے کہیں ایسا تو نہیں
قطرۂ اشکِ تپاں ہے کہیں ایسا تو نہیں
یہ رہِ کوئے بتاں ہے کہیں ایسا تو نہیں
سایۂ ابرِ رواں ہے کہیں ایسا تو نہیں

شاعری اہلِ جہاں جس کو سمجھتے ہیں نشاط
وہ مرادِ دلِ شباں ہے کہیں ایسا تو نہیں

پنجاب کی نئی کابینہ کی اردو دوستی

پنجاب کی نئی وزارت نے اپنی پیش رو وزارت کا ایک فیصلہ تبدیل کر کے اس کی جگہ نئے احکام جاری کئے ہیں۔ اس تازہ فیصلہ کی رو سے پنجاب سرکار نے ایک سرکلر کے ذریعہ تمام دفاتر کو آگاہ کیا ہے کہ ضلع کی سطح تک کے کسی دفتر کو کسی بھی زبان میں درخواست موصول ہو تو اسے قبول کرنے سے انکار نہ کیا جائے علاوہ ازیں اگر وہ درخواست جواب طلب ہو تو درخواست دہندہ کو اسی زبان میں جواب دیا جائے جس میں درخواست دی گئی ہے۔ واضح رہے کہ سابقہ وزارت نے دفاتر کو صرف ہندی یا پنجابی میں درخواستیں قبول کرنے اور انہی دو زبانوں سے ایک میں جواب دینے کا فیصلہ کیا تھا جس پر عمل سے عوام کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا نئے فیصلے سے اردو کے لئے مساوی گنجائش ہے۔ (دستور جیت تنویر چند کی (رپورٹ) پنجاب)

ساہتیہ اکاڈمی کے نئے صدر

ساہتیہ اکاڈمی کی مجلس منتظمہ نے اپنے حالیہ اجلاس منعقدہ نئی دہلی میں اکاڈمی کی صدارت کے لئے صدر جمہوریہ ڈاکٹر رادھا کرشن کا نام تجویز کر کے مجلس عام کو بھیجا ہے۔

اکاڈمی کی مجلس عام کا جلسہ ستمبر کے آخر میں ہوگا جس میں ساہتیہ اکاڈمی کے صدر کی حیثیت سے موصوف کا باقاعدہ انتخاب ہوگا۔ اکاڈمی کی صدارت کے لئے صدر جمہوریہ کا نام نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے پیش کیا تھا جو اکاڈمی کے نائب صدر بھی ہیں۔ (انڈین ایکسپریس)

خالصہ کالج میں راجندر سنگھ بیدی کا یوم سالگرہ

خالصہ کالج نئی دہلی کے شعبۂ اردو کی جانب سے یکم ستمبر ۱۹۶۴ء کو بزمِ ادب کا افتتاحی جلسہ اور مشاعرہ منعقد ہوگا اس موقعہ پر مشہور ناولسٹ اور افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی کا یوم سالگرہ منایا جائے گا۔ جناب شہاب جعفری استقبالیہ پیش کریں گے ڈاکٹر محمد حسن بیدی کے فن پر مقالہ پڑھیں گے۔ دوسرے شعرا کا بزم میں امرتا پریتم، ساحر لدھیانوی، غلام ربانی تاباں، جگن ناتھ آزاد، شمیم کرہانی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(راجوہ سنگھ، سکریٹری بزم ادب خالصہ کالج)

ضروری اطلاع

"ہماری زبان" سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔

سید فضل المتین (گزشتہ سے پیوستہ)

جے پور کے اردو رسائل اور اخبارات

صفحہ ۴۴ سے بعنوان "غیر طرحی کلام جو بعض شعرائے کرام نے مشاعرہ میں پڑھا" جو کلام درج ہے اس کی تفصیلات یہ ہیں۔

بعنوان "رباعیات" سیماب اکبرآبادی کی ایک رباعی۔ جوش ملیح آبادی کی ۷ رباعیات اور نسیمی کی ایک رباعی درج ہے یہ سلسلہ صفحہ ۳۵ پر ختم ہوتا ہے۔ پھر صفحہ ۳۵ ہی پر پہلی غزل۔ جگر مرادآبادی کی ہے۔ جس کے اشعار کی تعداد ۶ ہے پہلا اور آخری شعر یہ ہے

قبائے عشق کو رنگ بقا دیا تو نے — حباب دہوت کو کیا دکھا دیا تو نے
ہر اک دل کو عطا کر کے مدعائے حیات — جگر کو اک دل بے مدعا دیا تو نے

اس غزل کے بعد ساغر نظامی کی غزل ہے جس کے اشعار کی کل تعداد ۱۲ ہے۔ پہلا اور آخری شعر یہ ہے۔

نظر سے روح میں یا دل میں کھو جاتے ہیں — ہر ایک عالم امکاں پہ چھائے جاتے ہیں
ہمارا حال تو دیکھا ہمارا ظرف بھی دیکھ — شگفتگی نہیں غم اٹھائے جاتے ہیں

صفحہ ۳۶ پر بعنوان "تحفۂ قلاقند" جے پوریاں پر بطرز ایمان کی فرسندھ کے عنوان سے ایک رباعی امیر الدین خاں صاحب کی ہے اور دیگر طرحی اشعار، اختر خیالی، ذکی، شفا، قمر، متین اور امیر الدین خاں کے ہیں۔

صفحہ ۳۷ پر بعنوان انا للہ۔ ہمیشہ رہے نام اللہ کا مولوی محمد اشفاق رسول صاحب مہر" ایک تعزیتی مضمون۔ مہر صاحب کی وفات پر ان کے حالات پر مشتمل ہے جس کا سلسلہ صفحہ ۴۰ پر ختم ہوا ہے۔

"روشنی" کا پیش نظر شمارہ امیر الدین خاں نے ترتیب دیا ہے۔ یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ یہ کہاں طبع ہوا؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیش نظر شمارے کے کچھ صفحات غائب ہیں چونکہ مضمون بعنوان "مولوی محمد اشفاق رسول صاحب مہر" میں یہ عبارت ملتی ہے۔

"میرے خیال میں حضرت نفا نے جو مرثیہ لکھا ہے وہ بہت بہتر آئینہ ان کے کردار و صورت و وضع کا ہے اور نثر سے بہتر ہے۔ اس کے چند بند آخر میں ہدیۂ قارئین کرام ہیں۔" اور پیش نظر شمارے میں وہ حصہ نہیں ہے جس میں مرثیہ کے بند شامل اشاعت ہیں۔

جام سخن: اس رسالے کے ایڈیٹر ذہین تھنجوی تھے اور ہر مہینے مطبع حسن ادب لکھنؤ سے چھپ کر یہاں سے (جے پور سے)

شائع ہوا کرتا تھا۔

ذکر الحبیب: یہ ماہانہ رسالہ ۱۳۴۴ھ میں جاری تھا مولوی سراج الحق صاحب حق ایڈیٹر تھے۔ اور یوسفی پریس الور میں چھپتا تھا

الاخلاق: اس رسالے کے نام کے علاوہ اور کچھ معلوم نہ ہو سکا غالب خیال یہ ہے کہ المصباح اور الاخلاق دونوں کو مولانا تسنیم ترتیب دیا کرتے تھے

جام سخن، ذکر الحبیب اور الاخلاق سے متعلق مندرجہ بالا کیفیت کے علاوہ دیگر تفصیلات حاصل کرنے کیلئے ہمارے پاس فی الحال کوئی ذریعہ نہیں ہے

اقبال: ایک ماہنامہ "اقبال" نامی بدری نرائن عرف بدر الدین گوہر نے نکالا تھا۔ مگر اس کا صرف ایک ہی نمبر نکلا تھا کہ بند ہو گیا۔

مشرق: ۱۹۲۵ء یا ۱۹۲۴ء میں مولوی محمد حسن شاہ ذہین نے ایک ماہنامہ مشرق بھی جاری کیا تھا۔ اس کے بھی چند نمبر نکلے تھے کہ بند ہو گیا

ماہنامہ اقبال اور ماہنامہ مشرق سے متعلق مندرجہ بالا کیفیت صاحب تذکرہ کی تحریر سے لی گئی ہے۔ مزید دیگر تفصیلات کے لئے ہم کوئی اور ذریعہ نہیں رکھتے ہیں۔

نئی روشنی: یہ ایک روزنامہ اخبار تھا۔ اس کا اجرا یکم جنوری ۱۹۵۵ء میں ہوا مگر تین ماہ بعد بند ہو گیا۔

---

۱۲ جائزہ زبان اردو صفحہ ۲۰۰

۱۳ تذکرہ شعرائے جے پور صفحہ ۲۹۴

۱۴ محمد حسن شاہ ذہین کے ایک رسالہ جام سخن کا ذکر بحوالہ جائزہ زبان اردو کیا جا چکا ہے مشرق کا ذکر بحوالہ تذکرہ شعرائے جے پور، بعنوان "جے پور کے علمی و ادبی اخبار و رسائل" مندرجہ بالا ہے اور صاحب تذکرہ ذہین کے حالات میں صفحہ ۲۳۲ (تذکرہ شعرائے جے پور) پر رقمطراز ہیں "صحافت سے بھی خاص دلچسپی تھی چنانچہ "بزم راجستھان" اور "پیام مشرق" یکے بعد دیگرے رسائل نکالے"

خدا جانے! صحیح نام "مشرق" ہے یا "پیام مشرق" یا پھر دونوں علیحدہ حیثیت رکھتے ہیں۔ اور "بزم راجستھان" کی تفصیلات کیا ہیں؟ اس کا وجود بھی تھا یا نہیں؟

۱۵ تذکرہ شعرائے جے پور صفحہ ۱۹۴

۱۶ "روداد" کل راجستھان اردو کنونشن جے پور صفحہ ۲۰۲ (رپورٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو جے پور بابت ۵۶-۱۹۵۵ء)

۱۴ جائزہ زبان اردو صفحہ ۲۰۰

۱۵ ذہین کے حالات کیلئے دیکھئے تذکرہ شعرائے جے پور صفحات ۲۳۴ تا ۲۳۵

مراسلات

لطف اللہ ابن استاد احمد

"اردو ادب" شمارہ ۱،۲، ۱۹۶۲ء میں "تاج محل" کے عنوان سے شیخ فرید صاحب کا مقالہ شایع ہوا ہے اس میں حضرت لطف اللہ خلف استاد احمد معمار تاج کا ذکر ہے۔ اس مقالے سے چند امور واضح ہوتے ہیں۔

۱۔ یہ کہ لطف اللہ فارسی نظم کی کتابوں کے مصنف اور صاحب دیوان شاعر تھے اور ان کا تخلص مہندس تھا۔

۲۔ وہ ۱۰۷۰ھ تک بقید حیات تھے اور سنہ مذکور میں انھوں نے مانڈو کا سفر کیا ہوشنگ شاہ کے مقبرے پر ان کا کتبہ ثبت ہے۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ آگرے میں ایک محلہ مدرسہ شاہی کے نام سے ہے اس کا اصلی نام مدرسہ شاہ عادل ہے یہ مدرسہ جس مسجد میں تھا وہ مسجد ابھی علی حالہا موجود ہے اسکی اندرونی محرابیں سنگ مرمر کی ہیں ان پر امانت اللہ شیرازی کے ہاتھ کی لکھی قرآن کی آیات کندہ ہیں آخر میں امانت اللہ شیرازی کا نام کندہ ہوا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ امانت اللہ شیرازی وہی نامور کاتب ہیں جنھوں نے تاج محل پر قرآن کی آیات لکھی ہیں۔ اس مسجد اور تحریر کا تذکرہ معین الآثار اور آگرے کی دوسری تاریخوں میں بھی ہے۔ یہ مسجد اب میرے خاندان کے قبرستان میں ہے جہاں میرے آباؤ اجداد اور خاندان کے افراد دفن ہیں لیکن یہاں سب سے پہلی قبر شاہ عادلؒ کی ہے۔ یہ قبر مسجد کے جنوب مشرقی کنارے پر واقع ہے اس پر کوئی لوح نہیں ہے سرہانے چراغ دان بنا ہوا ہے۔

شاہ عادل صاحب میرے جد چہارم سید احمد اللہ شاہ قادریؒ کے استاد تھے۔ شاہ عادلؒ کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے یہ مدرسہ اور مسجد حضرت نے سید احمد اللہ شاہ کو عنایت فرمادی تھی اور سید احمد اللہ شاہ شاہ عادل صاحب کے بعد ان کی جگہ اس مدرسے میں درس دیا کرتے تھے۔ سید احمد اللہ شاہ کی حویلی اس محلے کے قریب ہی واقع تھی جو ایک زمانے میں حویلی خانجہاں لودی کہلاتی تھی اور پھر برباد ہو کر لودی خاں کا ٹیلہ کہلانے لگی اور اب یہ نام بھی کوئی نہیں جانتا یہ مقام بخارا چھتہ کے پیچھے واقع ہے۔

شاہ عادل کی ایک منظوم تصنیف میرے خاندان میں محفوظ ہے اس میں قرآن کی سورتوں کے خواص بیان کئے گئے ہیں۔ مجھے اس تصنیف ہی سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت کا اسم شریف لطف اللہ اور آپ کے والد بزرگوار کا اسم شریف احمد تھا۔ کتاب کے خاتمے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

یا الٰہی بہ برکت قرآں　　　کو ست مارا امام و رہنما
بہ گدائے کریانت خشم رسل　　　شب اسری بہ قرب اَوْ اَدْنٰی
کرگنا ہان عادلی مسکیں　　　عفو فرما زِ محض لطف و عطا

اس کے بعد قرآن کی سورتوں کی تعداد بیان کی ہے اور سب سے آخر میں سورتیں جس ترتیب سے نازل ہوئی ہیں، اسے بیان فرمایا ہے۔ اس کا پہلا شعر ہے:

پور احمد فقیر لطف اللہ　　　از نزول شود کند آگاہ

زمانے کی تحقیق اور تعین کے سلسلے میں یہ تفریح غالباً مفید ہو کہ سید احمد اللہ رحمتہ اللہ کا وصال ۱۲۱۶ ہجری میں ہوا ہے ہمارے خاندان میں یہ روایت بیان کی جاتی رہی ہے کہ سید احمد اللہ صاحب کی عمر طویل ہوئی ہے اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ حضرت کے صاحبزادے مولانا سید امجد علی شاہ اصغر اکبر آبادی اور حضرت اصغر کے صاحبزادے سید منور علی شاہ صاحبؒ تھے جو حالات بیان کئے جاتے ہیں ان کی رو سے سید منور علی شاہ صاحب کی پیدائش کا سن ۱۰۹۰ھ قرار پاتا ہے اس سے سید احمد اللہ صاحب کی عمر کی طوالت کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ سید احمد اللہ صاحب کے پوتے کی عمر ان کے وصال کے وقت چھبیس سال کی تھی۔ البتہ یہ قیاس ہی کرنا پڑے گا کہ حضرت لطف اللہ عادل نے کتنی عمر پائی اور سید احمد اللہ صاحب کی پیدائش اور تعلیم کا زمانہ کون سا تھا لیکن یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ یہ وہی لطف اللہ خلف استاد احمد ہیں جن کا ذکر شیخ فرید صاحب نے اردو ادب میں کیا ہے لیکن یہ بات ضرور غور طلب ہے کہ شیخ فرید صاحب کے قول کے مطابق لطف اللہ صاحب کا تخلص مہندس تھا جب کہ مذکورہ تصنیف میں عادل تخلص ہوا ہے اور جس مزار کا میں نے ذکر کیا ہے وہ شاہ عادل کے نام ہی سے عوام و خواص میں مشہور ہے۔ امید ہے کہ کوئی صاحب اس بارے میں مزید روشنی فرمائیں گے۔

(میکش اکبر آبادی)

اقبال کی چند سطریں

"ہماری زبان" کے تازہ شمارے (۲۲ اگست ۱۹۶۲ء) میں جناب نادم سیتاپوری نے "اقبال کی چند سطریں" کے عنوان سے ایک مقالہ سپرد قلم کیا ہے جو اقبالیات میں یقیناً ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

اس مقالے میں نادم صاحب اقبال کا یہ شعر

ندارد عشق سامانے ولیکن تیشہ دارد
خراشد سینۂ کہسار و پاک از خون پرویز است

درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں

"اقبال کا یہ شعر ان کے کس مجموعے میں شامل ہے؟ میں نہیں عرض کر سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی بھی مجموعے میں شامل نہ ہو اور اس حقیقت سے اسے کچھ زیادہ اہمیت حاصل نہ ہو"

گزارش ہے کہ یہ شعر زبور عجم "دلا پبوڈ ایڈیشن" کے صفحہ ۱۰۱ پر درج ہے اور اس دلگداز غزل کا دوسرا شعر ہے جس کا مقطع

مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

زبان زدِ خاص و عام ہے۔

پوری غزل جناب نادم سیتاپوری اور "ہماری زبان" کے ان قارئین کے لئے جو فارسی شاعری سے دلچسپی یا وابستگی رکھتے ہیں نیچے درج کی جا رہی ہے۔

نوائے من از آں پرسوز و بیباک و غم انگیز است
بخاشاکم شرار افتاد و باد صبحدم تیز است

ندارد عشق سامانے و لیکن تیشۂ دارد
خراشد سینۂ کہسار و پاک از خون پرویز است

مرا در دل خلید ایں نکتہ از مرد او ادانی
ز معشوقاں نگہ کاری تر از حرف دلآویز است

بیا لیکن بیا کہ در نقش گر در دمد مجبوری
تہی پیمانہ بزم تر ا پیمانہ لبریز است

بہ بستاں جلوہ دادم آتش داغ جدائی را
نسیمش تیز تر می سازد و شبنم غلط ریز است

اشارت ہائے پنہاں خانماں برہم زند لیکن
مرا آں غمزہ می باید کہ بیباک است و خونریز است

نشیمن ہے مد و مادر گلے لیکن چہ دارا ایں
خورد صحبت گل خوشتر آمد دل کم آمیز است

مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

(جگن ناتھ آزاد)

مترادفات

(۱)

"ہماری زبان" مورخہ ۲۲ر اگست ۱۹۷۷ء میں "سیر بین" کے عنوان کے تحت آپ نے بعض الفاظ و محاورات کے مترادفات کے متعلق اظہار خیال کی دعوت دی ہے۔ عرض یہ ہے کہ

۱۔ strong اور weak کے لئے "ہماری زبان" میں پہلے سے الفاظ موجود ہیں۔ امیر مینائی لکھتے ہیں:

تیز نشے اور ایسے کم سن کے لئے
ساقیا ہلکی سی لا ان کے لئے

۲۔ Robust language کا مفہوم ادا کرنے کے واسطے "سخت الفاظ" یا "سخت سست" کہہ سکتے ہیں۔

۳۔ ہر بڑی زبان میں ضرورت پڑنے پر اسم سے فعل بنانے کا رواج ہے۔ عربی سے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

کوفہ (ایک شہر کا نام) سے تَکَوَّفَ (وہ کوفی بنا)
عراق (ملک کا نام) سے اَعْرَقَ (وہ عراق کو گیا)
ناصرہ (شام کا ایک گاؤں جو حضرت عیسیٰ کا مولد ہے) سے نصرانی بنا تھا۔ بعد کو نصرانی سے تَنَصَّرَ (وہ نصرانی ہو گیا)
یہود سے تَہَوَّدَ (وہ یہودی ہو گیا)
کبھی اختصار کے خیال سے پورے جملے سے چھوٹا سا فعل بنا لیتے ہیں جیسے۔

الحمد للہ سے حَمْدَلَ (اس نے الحمد للہ کہا)
لاحول ولا قوۃ الا باللہ سے حَوْقَلَ (اس نے لاحول پڑھی)
انا للہ وانا الیہ راجعون سے اِسْتَرْجَعَ (اس نے انا للہ کہا)

کہاں تک مثالیں دی جائیں۔ اسی قیاس پر آپ اردو میں بھی تصرف کر سکتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ زبان کی لطافت پر زد نہ پڑے۔ اب اس کا فیصلہ ذوقِ سلیم کے سوا کون کرے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو نہرو انا کے قیاس پر پٹیل سے پٹیلانا۔ جگ جیون رام سے جگ جیون رامانا۔ سورن سنگھ سے سورن سنگھانا۔ سچیتا کرپلانی سے سچیتا کرپلانانا۔ سمپورنانند سے سمپورنانندانا جیسے کئی عجب مصادر و افعال بنیں گے اور زبان میں زراج برپا ہو جائے گا۔

(پروفیسر ضیاء احمد بدایونی)

(۲)

۲۲ر اگست کا "ہماری زبان" مجھے کل ملا۔ ROBUST LANGUAGE کا ترجمہ میں "سخت کلامی" کروں گا۔ شاید آپ اس ترجمہ کو پسند کریں۔

(انوار الحسن)

یہ شعر کس کا ہے

حسب ذیل شعر کے متعلق جاننا چاہتا ہوں کہ دراصل کس کا ہے۔

مریضِ دل مت رو یہاں آنسو بہانا منع ہے
اس قفس کے قیدیوں کو آب و دانہ منع ہے

یہ شعر عام طور پر بہادر شاہ ظفر کے نام سے مشہور ہے مگر مجھے حال ہی میں کلیاتِ شیر علی افسوس دیکھنے کا موقع ملا جس میں پوری غزل نہیں لیکن مطلع بالکل یہی ہے۔ باقی اشعار ظفر کی غزل سے نہیں ملتے۔ ظفر کی ایک اور غزل بھی اسی زمین میں ہے۔ امید ہے کہ آپ اسے "ہماری زبان" میں شائع کرنے کی زحمت کریں گے۔

(ڈاکٹر سید محمد عقیل۔ الہ آباد)

گرد و پیش

"ہماری زبان" بابت ۸ر اگست ۱۹۷۷ء میں احمد رئیس کی نظم "گرد و پیش" نظر سے گزری۔ یہ نظم مشہور شاعر معین احسن جذبی کی کامیاب نظم "میرا ماحول" کا ایک احمقانہ اور ناکام چربہ ہے مثلاً معین احسن جذبی فرماتے ہیں۔ ؎ یہاں نہ شعر سنا، یہاں نہ شعر کہو

احمد رئیس کہتے ہیں۔ ؎ یہاں نہ گیت سنا، یہاں نہ نظم کہو

معین احسن جذبی کا مصرع ہے۔ ؎ یہاں ہے حفظ کتب پر مدار فضل و کمال

احمد رئیس کہتے ہیں۔ ؎ یہاں پر چند کتابیں کھنگالنے والے

پوری نظم پڑھئے۔ مواد ایک۔ عنوان ایک۔ (خورشید احمد شمسی)

(اردو تحریک بقیہ صفحہ ۱ سے آگے)

کے اخباروں میں شایع کرا دیا جائے اور شہروں میں دیواروں پر پوسٹر کے طرح نام پر چسپاں کیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ اس پر دستخط کرنے والوں کی فہرست شاندار ہوگی۔

۲۔ اردو کے غیر مسلم دوستوں کی ایک کانفرنس کی جائے تاکہ اردو کے مخالفین دیکھیں کہ اردو کے غیر مسلم ادیب اور حامی مقدار اور مرتبے میں کتنے آگے ہیں۔ یہ کانفرنس اردو کے بارے میں جو کچھ کہے گی ہندی والے اس پر ذرا زیادہ دھیان دیں گے۔

۳۔ اگر ممکن ہو تو انجمن ہندی میں ایک پندرہ روزہ پرچہ نکالے جس میں قدیم و جدید اردو ادب کے ایسے اقتباسات ہوں جو قومی یک جہتی۔ مذہبی یگانگت۔ ملکی رنگ یا ہندی اثرات کے حامل ہوں۔ ایک آدھ دلچسپ افسانہ، کچھ طنز و مزاح کے شاہکار دئے جاسکتے ہیں ساتھ ہی اردو کی حمایت میں نرمی کے ساتھ مدلل طور پر لکھا جائے۔ یہ پرچہ ہندی کے ممتاز ادیبوں۔ استادوں اور پارلیمنٹ اور اسمبلیوں کے خاص خاص اردو دشمن ممبروں کے پاس مفت بھیجا جائے۔ اس سے ان کی بہت سی غلط فہمیاں دور ہو سکیں گی۔

۴۔ اردو ادب بالخصوص شاعری کا ایک ایسا انتخاب مرتب کیا جائے جو قومی یک جہتی وطن پرستی اور ہندی اثرات پر مشتمل ہو۔ یہ انتخاب ایک جلد میں ہندی میں شایع کیا جائے۔

۵۔ اردو تحریک میں اگر جان ڈالنی ہے۔ اور جان ماری کرنی ہے تو ہندی کے علاقے ہریانہ، دلی یوپی اور بہار میں اردو کی حمایت میں غیر مسلموں کی دستخطی مہم چلائیے۔ یہ ضروری نہیں کہ اردو کی اس اپیل پر صرف اردو جاننے والے غیر مسلم ہی دستخط کریں بلکہ میرے پڑوس کا بنگالی بھی کر سکتا ہے۔ اگر وہ اردو کو اس کا حق دلانے کے حق میں ہو۔ یہ مہم صرف شہروں اور قصبوں میں چلائی جائے۔ یہ کام بڑا جانکاہ ہے۔ یوپی کی دستخطی مہم کے رائگاں جانے کے بعد اس ہفت خواں کی جرأت نہیں ہوتی لیکن اگر خاصی تعداد میں غیر مسلموں کے دستخط میسر آسکیں تو اردو کے فرقہ پرست دشمنوں کے منہ پر زبردست طمانچہ ہوگا۔ اس تحریک کے ذریعے اردو غیر مسلم عوام تک پہنچ سکے گی۔ جو لوگ اردو کے لئے کوئی نہ کوئی عوامی تحریک چلانے کے لئے بے چین ہو۔ رہے ہیں ان کے لئے اس سے بہتر طریقہ نہیں ہو سکتا ہے۔

مجھے اندازہ ہے کہ تیسری اور پانچویں تجویز پر عمل ہیرا ہونا جوئے شیر لانے سے کم نہیں اگر یہ ممکن نہ ہوں تو کم از کم پہلی، دوسری اور چوتھی تجویزیں ضرور قابل عمل ہیں۔

آزادی کے بعد ہندوستان میں اردو ادب بڑے اچھے خطوط پر چل رہا ہے۔ وہ قومی ہم آہنگی کو فروغ دینے میں بڑا کام کر رہا ہے لیکن پاکستان کے اردو دوست اپنی انتہاپسندانہ غوروں سے ہماری مشکلات میں اضافہ کر رہے ہیں۔ وہاں بنگالی اور دوسری علاقائی زبانیں اردو کی حریف بن رہی ہیں جس کی وجہ سے وہاں کے اہل اردو مسلم قومیت اور اردو کو اجزائے لاینفک بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ وہ ہندوستان میں اردو کے حال و مستقبل سے مایوس ہیں۔ لیکن ہم مایوس نہیں۔

اردو محض مسلمانوں کی زبان نہیں ہے

بنگلور…… ۲۳…… اگست نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے آج یہاں کہا کہ ہندی کسی زبان پر حاوی ہوئے یا اسے مٹائے بغیر مختلف زبانیں بولنے والوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگی۔

انھوں نے شمالی ہند کی ہندی اردو بحث کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اردو نہ کوئی بدیسی زبان ہے اور نہ ہی اسے صرف مسلمانوں کی زبان کہنا صحیح ہے اردو خالصتاً ایک ہندوستانی زبان ہے جو اسی ملک میں پیدا ہوئی اور جس کی جڑیں ہندی میں پھیلی ہوئی ہیں۔

ڈاکٹر ذاکر حسین نے کہا کہ ہندی اور اردو ایک دوسرے سے بالکل علاحدہ زبانیں نہیں بلکہ ان میں قریبی ربط ہے۔

نائب صدر جمہوریہ نے ان خیالات کا اظہار میسور ریاست ہندی پرچار سمتی کے جلسہ میں پہلا خطبہ تقسیم اسناد پڑھتے ہوئے کیا۔

انھوں نے کہا کہ ہندوستان رنگا رنگ تہذیبوں زبانوں اور روایات کی سرزمین ہے ملک کو اس وقت جن مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہ متحدہ کوششوں کے ذریعہ حل کئے جاسکیں گے اور قومی زبان اتحاد اور یک جہتی کا وہ تصور پیدا کرے گی جو قومی قوتوں کو متحد کرنے کے سلسلے میں بہت ضروری ہے۔

انھوں نے کہا کہ ہندی اتحاد پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اختلاف پیدا کرنے کا نہیں، نہ ہی یہ کسی علاقائی زبان کی دشمن ہے ہندی کو یقیناً انگریزی کی جگہ لینا ہے لیکن ہندی کے حامیوں کو اس معاملے میں صبر سے کام لینا چاہیے۔

انھوں نے کہا کہ ہندی صحیح معنوں میں اسی وقت ترقی کر سکے گی جب اسے غیر ہندی علاقوں کی پوری حمایت حاصل ہو اور یہی وہ مرحلہ ہے جسے ہندی کے حامیوں کو احتیاط کے ساتھ سر کرنا ہوگا۔ انھیں ہندی کو آسان بنانا ہوگا تاکہ غیر ہندی علاقوں کے عوام بھی اسے سمجھ سکیں۔

(قومی آواز لکھنؤ)

اُردو کا مستقبل

ایک بھائی اپنے خط میں پوچھتے ہیں: "ہمارے ملک میں اردو کا مستقبل کیا ہے؟" میں کئی روز سے سوچتا ہوں کہ اس کا جواب کیا دوں۔ کسی کو الزام میں دینا نہیں چاہتا۔ کسی کی نندا کرنا بھی نہیں چاہتا لیکن جذبات سے پرے ہٹ کر ٹھنڈے دل سے سوچنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ملک کی سب سے طاقتور زبان کو خاموشی سے قتل کرنے کی کوشش اس ملک میں ہو رہی ہے جس کا نام کوئی لیتا نہیں۔ سب طرف کہا جاتا ہے: "اردو بھی ہمارے ملک کی قومی زبانوں میں سے ایک ہے۔ ملک کی راج بھاشا ہندی ہے، باقی تیرہ زبانیں قومی زبانیں ہیں۔ ان میں ایک اردو بھی ہے" لیکن عملی طور پر جو کچھ ہو رہا ہے، اس کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ اردو کا ذکر متن میں رہے گا نہ تیرہ میں۔ دھیرے دھیرے یہ زبان اگر قانونی طور پر نہیں تو عملی طور پر ختم ہو جائے گی۔ قانون و آئین میں اردو کا نام رہے گا ضرور، لیکن عملی طور پر اردو کو جاننے والے چراغ لے کر تلاش کرنے پڑیں گے۔ آج حالت یہ ہے کہ دلی، پنجاب، آندھرا، یوپی، بہار اور کئی دوسرے پرانتوں میں اردو بھی صوبائی بھاشاؤں میں سے ایک بھاشا ہے لیکن عملی طور پر یہ حالت ہے کہ اردو پڑھنے اور لکھنے والوں کی تعداد لگاتار کم ہوتی جاتی ہے۔ پچھلے روز پنجاب سرکار نے اپنے ایک اعلان میں کہا کہ ہماری بھاشا اب بھی وہی ہے جو پہلے تھی۔ ہندی، پنجابی و انگریزی تینوں ہماری سرکاری بھاشائیں ہیں۔ اردو کی ترویج و ترقی کے لئے بھی ہم کوشش کرتے ہیں۔ اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ یہ پالیسی پہلے بھی تھی۔ اب بھی ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اور پنجاب سرکار کے خیال میں اردو کی ترویج و ترقی و حوصلہ افزائی کیا ہے؟ یہ کہ اگر کوئی آدمی اردو میں درخواست دے تو اسے اردو میں جواب دے دیا جائے گا۔ میں دکھ کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ دعوے بھی غلط ہے۔ عام طور سے حالت یہ ہے کہ پنجاب سرکار کے کسی وزیر، سیکریٹری یا آفیسر کو اردو میں خط لکھئے تو اس کا جواب آپ کو انگریزی، ہندی یا پنجابی میں ملے گا۔ آپ کا اردو کا خط پڑھ لیا جائے گا ضرور۔ اردو میں اس کا جواب نہیں دیا جائے گا۔ اس کی وجہ بالکل عیاں ہے۔ پنجاب میں اور دوسرے پرانتوں میں دھیرے دھیرے ان افسروں کی تعداد کم ہو رہی ہے۔ جو اردو جانتے ہیں۔ آج جو لوگ اردو پڑھ لیتے ہیں وہ ایسے ہیں جو حصول آزادی سے پہلے بھی سرکاری ملازم تھے یا اس کے تین چار یا پانچ برس بعد ملازم ہوئے۔ آج پنجاب میں جو لوگ سرکاری ملازم رکھے جاتے ہیں ان کے لئے ہندی جاننا لازمی ہے۔ پنجابی جاننا بھی لازمی ہے انگریزی جاننا بھی، اردو جاننا لازمی نہیں ہے۔ اگر وہ اردو جانتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ نہیں جانتے تو کوئی انھیں یہ نہیں کہتا کہ "تمہیں سرکاری ملازمت نہیں ملے گی۔" اردو جاننا یا نہ جاننا بالکل ایسے ہو گیا ہے جیسے موسیقی کا علم یا لاعلمی ہو۔ کوئی آدمی اگر گا سکتا ہے تو اسے ملازمت میں ترجیح نہیں ملتی۔ اگر نہیں گا سکتا تو کوئی اسے ملازمت حاصل کرنے سے روکتا نہیں۔ یہ اس کا اپنا شوق ہے۔ شوق کے لئے وہ اردو سیکھتا ہے تو اچھا ہے۔ نہیں سیکھتا تو کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ "آپ اردو کا شوق کیوں نہیں فرماتے؟" ایسی حالت میں لوگ اردو سیکھنے میں وقت کیوں خرچ کریں گے؟ اور اگر سرکاری ملازم کے لئے ہی اردو جاننا لازمی نہ ہو تو "اردو کے خط کا جواب اردو میں دیا جائے گا" یہ محض فریب اور دکھاوا نہیں تو اور کیا ہے؟ اصلیت یہ ہے کہ جو حالت آج ہو رہی ہے وہ جاری رہی تو کچھ برس کے بعد اردو کا خط پڑھنے والے کہیں کہیں شاذ و نادر ہی رہ جائیں گے جیسے آثار قدیمہ کے محکمہ میں کچھ لوگ پرانی زبانوں کو پڑھنے والے مل جاتے ہیں۔ اسی طرح حکومت میں صرف کچھ لوگ اردو جاننے والے رہ جائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ظلم ہے اگر پنجاب، دلی، آندھرا، یوپی بہار اور اسی طرح دوسرے پرانتوں کی سرکاریں کہتی ہیں کہ اردو ہی ہماری صوبائی زبان ہے۔ انھیں فیصلہ کرنا چاہئے کہ جو آدمی اردو نہیں جانتا اسے سرکاری ملازمت نہیں ملے گی۔ جب تک ایسا نہیں ہوتا تب تک اردو کا مستقبل میرے خیال میں نہ ہونے کے برابر ہے۔

زبیر (ملاپ نئی دہلی)

استفسار

مندرجہ ذیل اشعار کے مصنفوں کا نام مطلوب ہے قارئین "ہماری زبان" توجہ فرمائیں۔

مرے عروج کی شاہد ہیں پستیاں میری — بہت بلندی پرواز سے گرا ہوں میں

بے حجابی یہ کہ ہر شے میں ہے جلوہ آشکار — اس پہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

خودی اور خدا کو فراموش کر دوں — اگر وہ محبت کا اظہار کر دے

(فرحت انصاری۔ معروف گنج، گیا)

استفسار

مندرجہ ذیل شعر کے بارے میں اگر کوئی صاحب یہ بتا سکیں کہ یہ شعر کس کا ہے تو ممنون ہونگا۔

تم سے بچنا بھی ہے مشکل نہیں پانا بھی محال
میری قسمت میں نہ محفل ہے نہ تنہائی ہے

(محمد علی کاظمی علی گڑھ)

مضامین، مراسلات وغیرہ "ہماری زبان" کو ارسال کرتے وقت یہ ملحوظ رکھیں کہ کاغذ کے ایک طرف لکھیں۔

لسانی اقلیتوں کے اسسٹنٹ کمشنر کا دورہ محبوب نگر

انجمن ترقی اردو شاخ ضلع محبوب نگر (آندھرا پردیش) کا ایک وفد ۲۲ر اگست ۱۹۶۴ء مسٹر بی کے مصرا آئی اے ایس اسسٹنٹ کمشنر برائے لسانی اقلیت سے بمقام کلکٹر آفس محبوب نگر ملا۔ وفد انجمن کی جانب سے یادداشت پیش کی۔ جس کی خاص خاص باتیں یہ ہیں۔

گورنمنٹ آندھرا پردیش نے بار بار یقین دلایا ہے کہ اردو کو نہ صرف علاقائی زبان کی حیثیت حاصل رہے گی بلکہ وہ تلنگانہ کے دوش بدوش پھلتی پھولتی رہے گی۔ لیکن اسے ابھی تک دستوری حیثیت حاصل نہیں ہوئی ہے۔ بلحاظ مردم شماری ۱۹۶۱ء ضلع محبوب نگر کو تلگو اور اردو کا ضلع قرار دیا گیا ہے۔ اور حکومت اردو زبان کی ترقی و ترویج کے لئے ہر قسم کی امداد و مراعات کا وعدہ کرتی ہے اور اس سلسلہ میں احکام جاری کرتی ہے لیکن نیچے کے عہدہ دار توجہ نہیں کرتے جس کی وجہ سے نظم و نسق میں رکاوٹ، نصاب تعلیم مقرر کرنے میں غفلت و مدارس سرکاری میں اردو اسٹاف کی کمی کو شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے یادداشت میں کہا گیا ہے کہ اردو داں ملازمین کو علاقائی زبان تلگو نہ جاننے پر ترقی سے محروم نہ کیا جائے اور ان ملازمین سرکار کے سالانہ گریڈ نہ روکے جائیں تلگو دانی کے امتحان میں کامیاب ہوں ایسے ملازمین کو (۴۰) سال کی عمر پر پہنچنے کے بعد امتحان زبان دانی کی شرط سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ اردو تعلیم کی نگرانی و جانچ کے لئے اسپیشل آفیسر مقرر کیا جائے۔ اردو ادب کی درسی کتابوں کی تالیف و طباعت صوبائی سطح پر کسی ادبی ادارہ مثلاً انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے ذمہ کی جائے۔ ثانوی تعلیم کے مدارس کے لئے جس طرح حکومت تلگو میڈیم کے طلباء کو مفت درسی کتب فراہم کرتی ہے اسی طرح اردو میڈیم کے طلباء کو بھی اردو کتب فراہم کرے۔ اور حکومت درسی کتابوں کی خود طباعت کا انتظام کرے تلگو اور ہندی پنڈتوں کی طرح مدارس میں اردو پنڈتوں کا بھی تقرر کرے ٹریننگ اسکول کے ذریعہ اردو امیدواروں کی ٹریننگ کا انتظام کرے۔ وسطانوی، فوقانی جماعتوں کے قیام کے لئے فی جماعت (۱۰) طلباء کی شرط رکھی جائے۔ اردو داں معائنہ کنندہ آفیسر مقرر کیا جائے تاکہ ہر مدرسہ کی سالانہ تعلیمی تنقیح کر سکے۔ عثمانیہ میٹرک کے خانگی امیدواروں کو اردو میں امتحانات دینے کی سہولت فراہم کی جائے محکمہ حساب کے اعلانات و نوٹس بزبان اردو جاری کئے جائیں۔ گورنمنٹ گزٹ اردو میں شائع کی جائے۔ گورنمنٹ کے کتب خانوں میں اردو کتب رسائل فراہم کئے جائیں۔ لوکل لائبریری اتھارٹی میں انجمن ترقی اردو کا نمائندہ نامزد کیا جائے۔ ملٹی پرپز ہائی اسکول محبوب نگر میں سوشل اسٹڈیز اعلیٰ ریاضی۔ انجینئرنگ کے مستند ٹیچرز مقرر کئے جائیں۔

(محمد محبوب علی نصرت فاروقی معتمد انجمن ترقی اردو شاخ محبوب نگر)

ہندی اگر پھوٹ کا سبب بنی تو اسے ختم بھی کیا جا سکتا ہے

ارناکولم ۲۰ اگست۔ نائب وزیر تعلیم مسٹر بھکت درشن نے یہاں کہا کہ سرکاری زبان کی حیثیت سے ہندی کو ملک میں اتحاد اور ایک دوسرے کو قریب لانے کا اہم فرض انجام دینا ہے۔

انھوں نے کہا کہ دستور میں ہندی کو سب سے اونچا مقام اس لئے نہیں دیا گیا ہے کہ وہ دوسری زبانوں سے کچھ اونچا درجہ رکھتی ہے بلکہ اسے سرکاری زبان بنانے کا سبب یہ ہے کہ اسے ملک کے ۵۰ فیصدی عوام سمجھتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ اگر ہندی کی وجہ سے ملک کا اتحاد خطرہ میں پڑتا ہے تو ہم ہندی کی موجودہ حیثیت ختم کرنے کے لئے تیار ہوں۔

وزیر موصوف کیرالا یونیورسٹی کے ۹ روزہ سیمینار کو خطاب کر رہے تھے۔

مسٹر بھگت درشن نے بتایا کہ دوسری ریاستوں میں ہندی ٹیچروں کو تنخواہیں دینے کے لئے مرکزی حکومت نے ۱۵ لاکھ روپے کی امداد دی ہے۔ یہ امداد ۶۴-۱۹۶۳ء میں دی گئی ہے۔

انھوں نے بتایا کہ زبانوں کو ترقی دینے کے لئے تیسرے منصوبے میں ۴۰ کروڑ روپے رکھے گئے ہیں۔ (قومی آواز لکھنؤ)

رفیع احمد قدوائی کی سوانح حیات

معلوم ہوا ہے کہ آئندہ مہینہ مسٹر رفیع احمد قدوائی کے حالات زندگی پر مشتمل ایک کتاب چھپ جائے گی۔ یہ کتاب سابق مرکزی وزیر مسٹر اجیت پرشاد جین کی تصنیف ہے جو مسٹر قدوائی کے ایک قریبی ساتھی رہ چکے ہیں۔ یہ کتاب تین سو صفحات کی ہے۔ یہ کام پنڈت جواہر لال نہرو نے مسٹر اجیت پرشاد جین کے سپرد کیا تھا۔ آئندہ مہینہ کے آخر میں مسٹر قدوائی کے گاؤں ضلع بارہ بنکی میں ان کا یوم وفات منایا جائے گا۔ یہ منصوبہ بھی تیار کیا جا رہا ہے کہ مسٹر قدوائی کی کوئی شایان شان یادگار قائم کی جائے۔ (قومی آواز لکھنؤ)

از ضیاء احمد بدایونی

تبصرہ

حیاتِ حسنؓ ۔ مولفہ پیام شاہجہانپوری۔ ناشران ملک دین محمد اینڈ سنز، اشاعت منزل، بل روڈ، لاہور۔ قیمت چار روپے

پیام صاحب اس سے پہلے حضرت علیؓ اور ان کی خلافت اور مقام حسنینؓ شائع کر چکے ہیں۔ یہ اس سلسلے کی تیسری کتاب ہے۔ موصوف کی یہ کوشش رہتی ہے کہ اسلام کی نامور شخصیتوں کی سیرت نگاری میں غلو اور افراط و تفریط سے پرہیز کیا جائے۔ روایات کی پوری تحقیق اور تنقیح کی جائے۔ اور اسی کے ساتھ وہ آج کل کے بعض دریدہ دہن مصنفوں کے برخلاف ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ چنانچہ اس کتاب میں جو سیدنا امام حسنؓ کی حیات و خلافت کے واقعات سے بحث کرتی ہے انھوں نے یہی نقطۂ نظر سامنے رکھا ہے۔ کتاب کے شروع کے ابواب میں حضرت خدیجہؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ کی مقدس زندگیوں پر مختصر تبصرہ ہے جس میں دکھایا ہے کہ جس ماحول میں سیدنا امام حسنؓ نے آنکھ کھولی وہ کس قدر ایمان افروز تھا۔ پھر ابتدائی حالات بیان کر کے انھوں نے امیر معاویہ کی شخصیت پر بحث کی ہے۔ اور ان عوامل پر روشنی ڈالی ہے جن کے تحت امیر معاویہ کو خلافت اسلامیہ پر قبضہ کرنے کی جرأت ہوئی۔ آخری ابواب سیدنا حسنؓ کی دست برداری خلافت اور کردار سے متعلق ہیں۔

انھوں نے صحیح کہا ہے کہ چونکہ امیر معاویہ نے بنیادی طور پر غلط قدم اٹھایا تھا اس لئے اس غلط اقدام کے لئے انھوں نے جو سہارے لئے وہ بھی غلط تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؓ کے مقابلے میں ان کو کوئی دینی یا دنیاوی فوقیت حاصل نہ تھی۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ بالآخر ان کو کامیابی نصیب ہوئی جس کی وجہ یہ تھی کہ جن وسائل سے وہ کام لیتے تھے حضرت علیؓ ان وسائل کو ناپسند فرماتے تھے۔ جیسا کہ خود آپ کا ارشاد ہے ولولا الدین لکنت ادہی الناس یعنی اگر دین کی پابندی نہ ہوتی تو میں سب سے زیرک شخص ہوتا۔ حضرت حسنؓ کے زمانے میں بھی ایسی ہی صورت پیش آئی جس کو قسمت کی محرومی کے سوا کیا کہا جائے۔

پیام صاحب کی بعض رایوں سے اختلاف ممکن ہے۔ لیکن موصوف کی سنجیدہ نگاری اور وسیع النظری لائق تحسین ہے۔ امامؓ کی وفات کیونکر ہوئی اور اس میں کس کا ہاتھ تھا یہ ایک معرکہ آرا بحث ہے جس کو ہم طوالت کے خوف سے عمداً نظر انداز کرتے ہیں۔ مولف کا انداز بیان نہایت صاف اور شگفتہ ہے جس نے کتاب کی دلکشی میں اضافہ کر دیا ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ کتاب مذکور ملک کے علمی طبقے میں مقبول ہوگی۔

۲۔ مسلمانوں کی ایجادیں ۔ از مولوی محمد حنیف اللہ پھلواروی
ملنے کا پتہ۔ محمود عالم ، سعود آباد، کراچی ۔ قیمت

مسلمان اپنے زمانۂ عروج میں علوم و فنون میں اہل مغرب کے استاد تھے جس کا اعتراف اہل مغرب کو بھی ہے۔ اب دور انحطاط میں وہ دنیا کی قوموں سے اس قدر پیچھے رہ گئے ہیں کہ خود ان کو بھی مشکل سے یقین آئے گا کہ ہمارا ماضی اتنا شاندار تھا۔ مولوی حنیف اللہ پھلواروی نے اس مختصر سے رسالے میں تاریخی حوالوں سے دکھایا ہے کہ بیسیوں مفید اور حیرت انگیز ایجادیں مثلاً گھڑی، قطب نما، بادنما وغیرہ وغیرہ مسلمانوں ہی کی بدولت وجود میں آئیں۔ حتیٰ کہ طیارہ سازی ، دوربین ، فوٹوگرافی وغیرہ کا اولین تصور بھی سلف اسلام ہی کے دماغ کا رہین منت ہے۔

انجمن شاخ پٹیالہ کی ادبی نشست

انجمن ترقی اردو پٹیالہ کے زیر اہتمام ایک ادبی نشست زیر صدارت جناب نرار انبالوی جرجیوا آشرم پٹیالہ میں منعقد ہوئی جس میں اردو، ہندی اور پنجابی کے مقامی شعراء نے شرکت فرمائی۔

اس کے بعد متفقہ رائے سے یہ قرارداد منظور کی گئی کہ پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ سے پرزور اپیل کی جائے کہ جہاں وہ ہندی اور پنجابی کے امتحانات شروع کر رہی ہے وہاں اردو کے امتحانات بھی ساتھ ہی جاری کئے جائیں۔

(زینش پٹیالوی جنرل سکریٹری)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ نے پبلشر نذیر حسن پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا